© rasailojaraid.com

بلوچستان، تاریخ کے آئینے میں

انعام الحق کوثر

حصہ اول

بلوچستان گزیٹیر سے انتخاب

بلوچستان[۱] ۲۴---- ۵۴° و ۳۲ ---- ۴° عرض بلد کے درمیان شمال کی جانب اور ۶۰---- ۵۶° و ۷۰---- ۱۵° طول بلد کے درمیان مشرق کی جانب واقع ہے۔ اس کے شمال میں افغانستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ، جنوب میں بحیرۂ عرب، مشرق میں سندھ اور پنجاب اور مغرب میں ایران واقع ہے۔ مغربی اور شمالی سرحدیں پانچ سو بیس میل تک ایران اور سات سو تیئس میل تک افغانستان سے ملتی ہیں۔ اڑتیس میل بے مملکت سرزمین سے ملتی ہیں۔ زمانہ قدیم سے مغربی حملہ آوروں کا گزر اسی راستے سے رہا ہے۔ اسی بنا پر اسے زبردست تاریخی اور فوجی اہمیت حاصل ہے۔

قیام پاکستان سے پیشتر انتظامی لحاظ سے بلوچستان کے مندرجہ ذیل حصے تھے۔ ان میں سے تین براہ راست انگریزی سرکار کے تحت رہے اور اے۔ جی۔ جی (ایجنٹ ٹو گورنر جنرل) ان علاقوں کے نظم و نسق کا ذمہ دار تھا۔

۱۔ (الف) وہ علاقہ جو افغانستان کی دوسری لڑائی کے بعد عہد نامہ گنڈ مک ۱۸۷۹ء کے تحت افغانستان سے حکومت برطانیہ نے حاصل کیا اور جسے ۱۸۸۷ء میں برٹش بلوچستان کا نام دیا گیا۔ اس علاقہ میں چمن، پشین، شورارود، شاہرگ، دکی اور سی شامل تھے۔

(ب) وہ علاقہ جو خان قلات سے اجارہ پر حاصل کیا گیا تھا جس میں تحصیل کوئٹہ، نوشکی، بولان، جھٹ پٹ، اوستہ محمد (نصیر آباد) کے علاقے شامل تھے۔

۲۔ ایسے علاقے، جو سرداران اقوام نے وقتاً فوقتاً سرکار انگریزی کے سپرد کئے، مثلاً ضلع ژوب،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لورالائی (ماسوائے تحصیل دکی) کوہلو اور دالبندین و غربی سنجرانی۔

۳۔ قبائلی علاقوں میں مری بگٹی کے علاقے شامل تھے۔

۴۔ دیسی ریاستوں میں قلات، خاران، لس بیلہ اور مکران شامل تھیں۔

قیام پاکستان کے بعد بلوچستان کی یہ ریاستیں پاکستان میں شامل ہو گئیں اور ملک کی دوسری ریاستوں کی طرح ان کا بھی علیحدہ وجود ختم ہو گیا۔ اب صوبہ بلوچستان چھ ڈویژنوں (کوئٹہ، سی، قلات، مکران، ژوب اور نصیر آباد) اور چھبیس اضلاع کوئٹہ، پشین، زیارت، لورالائی، بارکھان، موسیٰ خیل، قلعہ سیف اللہ، ژوب، چاغی، خاران، سی، تمبو، جعفر آباد، کچھی، بولان، قلات، مستونگ، خضدار، آواران، بیلہ، پنجگور، قلعہ عبداللہ، تربت، گوادر (پہلے سلطان مسقط کے ماتحت تھا۔ ۱۹۸۵ء میں پاکستان میں شامل ہوا اور ۱۹۷۷ء میں الگ ضلع بنا) کوہلو اور ڈیرہ بگٹی (یہ علاقے قیام پاکستان کے وقت ضلع سی کا حصہ تھے۔ ۱۹۷۴ء میں انہیں مری بگٹی ایجنسی بنا دیا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں دو ضلعوں کوہلو اور ڈیرہ بگٹی میں تقسیم کر دیا گیا) پر مبنی ہے۔

رقبے کے لحاظ سے بلوچستان (جس کا علاقہ ۴۵ فیصد پہاڑی اور ۵۵ فیصد نیم پہاڑی ہے) پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ (چوالیس فیصد) ہے۔ اس کا کل رقبہ ایک لاکھ چونتیس ہزار دو مربع میل (۱۹۰، ۴۷، ۳ کلومیٹر) ہے جو سندھ، پنجاب، خیرپور اور بہاولپور کے مجموعی رقبہ کے برابر ہے۔ آبادی ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے ۴۳۳۲۳۷۶[۲] نفوس پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ پاکستان کا سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ کہیں کہیں تو ایک مربع میل میں ایک شخص آباد ہے۔

ماضی[۳] میں دوسرے علاقوں سے تعلقات کے چار راستے تھے۔ اہم ترین راستہ درہ بولان ہے جو کوئٹہ سے رندلی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی چون میل ہے۔ دوسرا راستہ درۂ مولا کا ہے جو دریائے مولا کے دہانے سے انجیرا کے قریب شروع ہوتا ہے۔ تیسرا راستہ لس بیلہ اور مکران کا بری راستہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ کا ہے۔ چوتھا بحری راستہ ہے۔

بلوچستان جغرافیائی لحاظ سے قدرتی طور پر تین حصوں (پہاڑی، میدانی اور صحرائی) میں منقسم ہے۔ مشرق سے مغرب اور جنوب مغرب کا تمام علاقہ وسیع و عریض سلسلہ ہائے کوہ سے پٹا پڑا ہے۔ یہ علاقہ بلوچستان کے وسط میں واقع ہے جبکہ جنوب مشرقی علاقہ جو کچھی، سی اور نصیر آباد پر مشتمل ہے، ایک وسیع و عریض میدانی علاقہ ہے۔ شمال مغربی علاقہ جو نوشکی سے دریائے ہلمند، گرم سیل اور سیستان تک پھیلا ہوا ہے ایک لق و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دق ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا ہے۔

کوہ سلیمان دریائے گومل اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے اور بلوچستان کو پنجاب اور صوبہ سرحد سے جدا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ تقریباً اڑھائی سو میل لمبا ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی تخت سلیمان کے نام سے معروف ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے گیارہ ہزار دو سو بانوے فٹ ہے۔ وادی شال (کوئٹہ کا قدیم نام) اور مستنگ (مستنگ) تین شاہراہوں کا سنگم' کوئٹہ کی طرف کا' نوشکی کی طرف کا' قلات کی طرف کا) کے درمیان واقع مشہور پہاڑ چلتن اسی سلسلہ کوہ کا ایک حصہ ہے۔ جس کی بلندی دس ہزار چار سو اسی فٹ ہے۔

سلسلہ کوہ وسطی ہربوئی (اسے کوہ بروہی وسطی کا نام بھی دیا جاتا ہے) سارا وان (مقامی زبان میں ابتدا' انتہا اور فراز کو کہتے ہیں اور جھالاوان (مقامی زبان میں جھل نشیب کو کہتے ہیں) کی جنوب مشرقی اور مشرقی سمت میں تقریباً شمالاً" جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی کل لمبائی دو سو اسی میل ہے۔ بلوچستان کے معروف درے بولان اور مولا اسی سلسلہ کوہ میں واقع ہیں۔ زرغون اس کی سب سے اونچی چوٹی ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے گیارہ ہزار سات سو اٹھاسی فٹ ہے۔ اس کی ایک چوٹی زرگٹ ہے جو بہت ہی سرسبز ہے۔ یہ وادی زیارت کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کی بلندی گیارہ ہزار دو سو انچاس فٹ ہے۔ اسی سلسلے پر قلات سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف ہربوئی کا وہ صحت افزا مقام واقع ہے جہاں پر ایک تفریحی قیام گاہ بھی تعمیر کی گئی ہے۔

سلسلہ کوہ ہربوئی' بلوچستان کے دوسرے پہاڑوں کی مثل بنجر اور خشک نہیں بلکہ اس پہاڑ پر صنوبر کے گھنے جنگلات ملتے ہیں۔ زیارت' نیچارہ' پندران' نرمک' جوہان اور کشان وغیرہ کی دلکش اور شاداب وادیاں اسی کے دامن میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ درہ بولان اور درہ مولہ میں بیسیوں ایسے چھوٹے بڑے نخلستان ملتے ہیں جو صحت افزا اور دلپذیر ہیں۔

توبہ کاکڑی کا سلسلہ کوہ ژوب اور کوئٹہ پشین کے اضلاع میں واقع ہے اور افغانستان اور بلوچستان کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔ یہ پہاڑ قریباً تین سو میل لمبا ہے۔ خوجک کا مشہور درہ اسی پہاڑ سے گزرتا ہے۔ اور شیلا باغ کی مشہور سوا دو میل لمبی ریلوے سرنگ اسی پہاڑ میں سے گزرتی ہے۔ یہ برصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی سرنگ ہے اور دنیا کی بڑی بڑی سرنگوں میں شمار ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوہ کیرتھر جھالاوان کے علاقے کو سندھ سے جدا کرتا ہے۔ کوہ ہب، لس بیلہ اور جھالاوان میں شمالاً جنوباً ۱۹۰ میل تک پھیلا ہوا ہے۔ ان دونوں سلسلوں کی بلندی بعض مقامات پر سات سو فٹ سے زائد ہے۔ کوہ سیاہاں، مکران اور خاران کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔ اس کا طول ۱۷۶ میل ہے۔ کوہ چاغی جو ضلع چاغی کے شمالی حصے میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے نوے میل لمبا ہے۔ یہ معدنی ذخائر سے اٹا پڑا ہے۔ سنگ مرمر کی کانیں یہاں پر ہیں جن سے لاکھوں ٹن سنگ مرمر برآمد ہوتا ہے۔ سیاہندک اور چل گزی کے پہاڑوں میں جو اسی سلسلہ کوہ میں واقع ہیں، تانبا اور لوہا بکثرت پایا جاتا ہے۔ کوہ سلطان میں گندھک کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے غالباً پہاڑ کا پہاڑ ہی گندھک سے بنا ہے۔

راس کوہ کا سلسلہ ۱۴۰ میل، کوہ وسطی مکران ۲۵۰ میل اور کوہ ساحلی مکران ۲۸۰ میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے۔ آخر الذکر پہاڑ بحیرۂ عرب کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے۔

بلوچستان[۴] کا کچھ حصہ بحیرۂ عرب کے کنارے بھی واقع ہے۔ یہ ساحلی علاقہ ۴۷۱ میل لمبا ہے اور اس میں اور ماڑہ، جیونی، سون میانی، پسنی اور گوادر (لفظی معنی ہوا کا دروازہ) پانچ بندرگاہیں بھی واقع ہیں۔ ان بندرگاہوں اور کراچی کے درمیان موٹر لانچوں کے ذریعے آمدورفت ہوتی ہے۔ گوادر، پسنی اور جیونی کی بندرگاہوں پر ماہی گیری کی صنعت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ پسنی میں مچھلی بندر تعمیر کی گئی ہے جو حکومت پاکستان کی خاص توجہ کا نتیجہ ہے۔ مچھلی کی برآمد سے زرمبادلہ کی اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔

سون میانی بندرگاہ بلوچستان کی سب سے قدیم بندرگاہ ہے۔ کراچی سے براستہ خشکی ۴۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تجارتی لحاظ سے یہ بندرگاہ وسط ایشیا میں بہت مشہور تھی۔ ۱۸۰۵ء میں پرتگیزی بحری قزاقوں نے اس بندرگاہ کو لوٹا اور اس میں آگ لگا دی۔ آج کل یہ بندرگاہ مچھلیوں کے شکار کے لئے مشہور ہے۔ یہاں سے بڑی مقدار میں خشک مچھلی دساور کو بھیجی جاتی ہے۔ یہاں پر دخانی جہاز لنگر انداز نہیں ہو سکتے۔ ساحل کے قریب پانی کی گہرائی کم ہے۔ یہ بندرگاہ اور ماڑہ سے تجارتی اعتبار سے ملی ہوئی ہے۔

پسنی اور اورماڑہ کے درمیان کلمت بندر ہے۔ جو ماہی گیری کے لئے محفوظ ترین بندرگاہ کہلاتا ہے۔ یہیں سے مشہور عالم فاتح سکندر واپس گیا تھا۔ علاوہ ازیں چھوٹی بندرگاہوں کے نام یہ ہیں۔ گھنز، بشیکاں، شمال بندر، کپر بندر، کارواٹ بندر اور سربند۔ بلوچستانی بندرگاہ گوادر بحری جہازوں کا دوسرا بڑا پاکستانی اڈہ کہلاتا ہے۔ حکومت پاکستان اس کی ترقی کی جانب بھرپور توجہ دے رہی ہے۔ جیونی پاکستانی بلوچستان کی سرحد پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخری بندرگاہ ہے۔ اس کے قریب آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں۔

بلوچستان میں کئی دریا[۵] ہیں مگر یہ سارا سال رواں نہیں رہتے۔ بارش کے دنوں میں روانی سے دوچار ہوتے ہیں۔ دریائے ژوب' دریائے ناڑی' دریائے بولان' دریائے توبڑہ پشین' دریائے مولا' دریائے ہب' دریائے ہنگول' دریائے پورالی' دریائے دشت' دریائے کیچ اور دریائے رخشان یہاں کے مشہور دریا ہیں۔

آبپاشی کے ذرائع یہ ہیں: بارش' گھورجو (پانی کی ایسی نالیاں ہیں جو ان پہاڑی ندیوں سے نکالی جاتی ہیں جن میں سیاہ آب بہتا ہے۔ ان ندیوں میں سیاہ آب مسلسل ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہیں بہتا۔ کہیں کہیں میلوں ندی کے اندر سنگریزوں اور ریت میں جذب ہو جاتا ہے پھر اچانک کسی اور مقام پر نمودار ہو کر بہنے لگتا ہے۔ ان مقامات پر چھوٹے چھوٹے بند باندھ کر نالیوں کے ذریعے پانی کا رخ زرعی اراضیات کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ ان چھوٹے بندات کے نیچے سے پانی بڑی مقدار میں بہہ نکلتا ہے اور اس طرح آگے جا کر دوسرے دیہات کو سیراب کرتا ہے) کاریزات' رہٹ' پانی نکالنے کی مشینیں' بیراج اور فیڈر' قدرتی چشمے' مقامی اصطلاح میں جن زمینوں کی آب پاشی کا انحصار بارش یا برف باری پر ہے' ان کو "خشکابہ" کہتے ہیں۔ جو زمینیں طغیانی کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں' ان کو "سیلابہ" کہا جاتا ہے۔

زرعی پیداوار[۶] میں گندم' جوار' باجرہ' مکئی' تمباکو' دالیں' آلو' پیاز' زیرہ' زعفران اور مختلف سبزیاں شامل ہیں لیکن بلوچستان زیادہ تر اپنے خشک میوہ جات اور عمدہ پھلوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں بہترین اقسام کا انگور' سیب' انار' شفتالو' زرد آلو' بادام' آلوچہ' آلو بخارہ' شہتوت' خربوزہ' سردا' گرما اور تربوز پیدا ہوتا ہے اور پاکستان بھر کی منڈیوں میں پہنچتا ہے۔ سیب برآمد بھی کیا جاتا ہے اور یوں کثیر زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ مکران اپنی مختلف قریباً ڈیڑھ سو قسموں کی کھجوروں کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ صوبے کے طول و عرض میں بجلی پہنچی اور پہنچائی جا رہی ہے۔ ان ذرائع کی پیش رفت میں پاکستان کا نمایاں حصہ نظر آتا ہے۔

بلوچستان خط استوا سے دور ہے اور سطح سمندر سے اونچائی اور فاصلے کے لحاظ سے اس کی مختلف صورتیں ہیں اس لئے مختلف مقامات کی آب و ہوا مختلف ہے۔ بارش برسانے والی ہواؤں یعنی مون سون کے خطے سے بھی یہ علاقہ دور ہے اس لئے یہاں بارش کم ہوتی ہے۔ میدانوں میں بارش زیادہ تر گرمیوں میں ہوتی ہے اور پہاڑی علاقوں میں سردیوں میں ہوتی ہے۔ پاکستان کی سرد ترین (زیارت۔ سطح سمندر سے بلندی ۸۰۵۰ فٹ' کان مہترزئی (تحصیل مسلم باغ)۔ سطح سمندر سے بلندی ۷۲۹۱ فٹ اور گرم ترین (سبی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈھاڈر۔ جن کے متعلق یہ مقامی کہاوت زبان زد خاص و عام ہے: "سبی و ڈھاڈر ساختی + دوزخ چرا پرداختی" جگہیں بھی بلوچستان میں واقع ہیں۔ بلوچستان کی آب و ہوا مجموعی طور پر خشک ہے۔

معدنی[۷] پیداوار میں کوئلہ، سوئی گیس (یعنی قدرتی گیس، سوئی مقام کا نام ہے) کروم، گندھک، تیزابی نمک (فاسفیٹ) در میگنیلائیٹ، سنگ مرمر، اسبوس، تانبہ، بیرائٹ، سرمہ، سیسہ اور ٹرائیٹ، مینگانیز، نکل، زنک، فلورائیٹ، یاقوت، گریفائیٹ، کھڑیا مٹی، چونے کا پتھر، سوب سٹون شامل ہے۔ معدنیات کی تلاش اور چھان بین کے لئے کوئٹہ میں جیولاجیکل سروے آف پاکستان قائم ہے جو جدید ترین ساز و سامان اور لیبارٹری کے علاوہ معدنیات کے ایک بہترین میوزیم سے آراستہ ہے۔

شاہرگ، سور رینج مچھ، آب گم، جوہان، کھوسٹ، سنجدی، دکی، کچھ اور ڈیگاری وغیرہ کے علاقے کوئلے کی پیداوار کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں ہر سال لاکھوں ٹن کوئلہ پیدا ہوتا ہے۔ تحصیل مسلم باغ اور دالبندین کے علاقے میں کروم، ضلع چاغی میں گندھک (سنی حد قلات) اور دشت (مکران) میں بھی پائی جاتی ہے اور سنگ مرمر، جھالاوان، خضدار میں اور ضلع چاغی میں سرمہ اور سیسے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ بیرونی ممالک کی منڈیوں میں کروم (یعنی کرومائیٹ، کول، لوہا) اور سنگ مرمر کی خاصی مانگ ہے اور ان سے زر مبادلہ کی صورت میں آمدنی ہوتی ہے۔ اسبسٹاس مسلم باغ کی تحصیل میں پایا جاتا ہے۔

سوئی گیس بگٹی کے علاقے میں ۱۹۵۳ء میں دریافت ہوئی تھی۔ یہ بجلی گھروں، کارخانوں اور گھروں میں ایندھن کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس وقت ملک کی ۴۵ فی صد برقی قوت سوئی گیس سے پیدا کی جا رہی ہے اور اس کی بدولت کروڑوں روپے سالانہ کے زرمبادلہ کی بچت ہوتی ہے۔ سوئی گیس پائپ لائن کے ذریعے کراچی، حیدر آباد، ملتان، لاہور، فیصل آباد اور راولپنڈی وغیرہ تک پہنچا دی گئی ہے۔ کھاد اور سیمنٹ کے کارخانوں اور دوسری صنعتی فیکٹریوں کے علاوہ ٹیوب ویل چلانے کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ۶۵ کروڑ روپے صرف کر کے سوئی گیس کوئٹہ تک بھی پہنچا دی گئی تھی۔

بلوچستان میں مواصلات[۸] میں ریلوے، سڑکیں، بحری اور ہوائی راستے شامل ہیں۔ ریلوے لائن اس علاقے کو کراچی، لاہور اور پشاور سے ملاتی ہے اس کے مختلف سیکشن ہیں۔ ایک سیکشن جھٹ پٹ سے چمن تک ۲۵۰ میل لمبا، دوسرا کوئٹے سے زاہدان تک ۵۶ نہ میل لمبا، تیسرا کھوسٹ سے سبی تک ۸۳ میل لمبا اور چوتھا بوستان سے ژوب تک ۱۸۴ میل لمبا ہے۔ جیکب آباد سے ایک لائن اوستہ محمد اور دوسری کشمور سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈیرہ غازی خان تک جاتی ہے۔

سڑکوں میں کوئٹہ، سبی، جھٹ پٹ (۱۹۸ میل) کوئٹہ چمن (۷۷ میل) کوئٹہ ژوب (۲۰۶ میل) کوئٹہ، احمد وال، نوکنڈی، میرجاوا (۳۸۰ میل) کوئٹہ قلات (۹۰ میل)، خضدار (۲۰۰ میل) بیلہ، اتھل، کراچی تک (۴۵۰ میل)، کوئٹہ لورالائی (براہ مسلم باغ ۱۶۵ میل، براہ سپیرا راغہ ۱۳۰ میل، براہ زیارت ۱۳۵ میل) اور لورالائی ڈیرہ غازی خان (۱۷۷ میل) آر سی ڈی روڈ کراچی سے لس بیلہ، خضدار، قلات، نوشکی اور دالبندین سے ہوتی ہوئی ایران چلی جاتی ہے۔ کراچی سے قلعہ سفید تک اس کی لمبائی ۸۴۰ میل ہے یہ سب سڑکیں پختہ ہیں۔ کوئٹہ مکران روڈ کی سوراب پہنچ کر دو شاخیں بنتی ہیں۔ ایک شاخ سوراب سے براستہ گدر پنجگور سے ہوتی ہوئی تربت اور پسنی کی بندرگاہ تک جاتی ہے۔ اس کی دوسری شاخ سوراب سے خضدار، نال، مشکے اور آواران سے ہوکر تربت پہنچتی ہے۔ یہ سڑک کوئٹہ سے سوراب اور خضدار تک پختہ ہے۔ تربت جیونی روڈ، ۶۷ میل لمبی ہے۔ تربت مند روڈ ایرانی سرحد کو چھوتی ہے۔ نوشکی خاران روڈ ۹۰ میل لمبی ہے۔ خاران سے آگے نکل کر بے سمہ کے مقام پر کوئٹہ پنجگور سے مل جاتی ہے۔ ایک درجن سڑکیں اچھے موسم میں استعمال ہوتی ہیں اور بلوچستان کے مختلف شہروں اور علاقوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔ بلوچستان کی بندرگاہوں اور کراچی کے مابین لانچوں اور آپس میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے آمدورفت ہوتی ہے۔

پی۔ آئی۔ اے کے جدید اور تیز رفتار طیارے روزانہ کراچی، کوئٹہ، لاہور اور اسلام آباد جاتے اور واپس آتے ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے براہ راست حج پروازیں بھی جانے آنے لگی ہیں۔ کوئٹہ کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی بن چکا ہے۔ ہر موسم میں جہاز اترنے اور چڑھنے کے لئے جدید آلات نصب کیئے گئے ہیں۔ کوئٹہ سے مشہد (ایران) جانے آنے کی بھی سہولت حاصل ہے۔ کراچی سے تربت، گوادر، پنجگور، پسنی، دالبندین، خضدار، کوئٹہ وغیرہ کیلئے فوکر سروس موجود ہے۔ ژوب کو بھی کوئٹہ، اسلام آباد، پشاور اور ملتان سے ملا دیا گیا ہے۔

حالیہ دریافت شدہ آثار قدیمہ[۹] سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچستان کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ کوئٹہ شہر کے قریب دریافت ہونے والے ٹیلوں کے بارے میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ وہ ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیحؑ کے زمانے سے متعلق ہیں۔ کوئٹہ کے شمال مغرب میں جو کھنڈر دریافت کئے گئے ہیں ان کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ کا یہ اندازہ ہے کہ برصغیر میں اب تک جن مقامات کی کھدائی کی گئی ہے یہ ان میں سب سے پرانا گاؤں ہے اور ناچ کے قریب جو بستی دریافت ہوئی ہے وہ سندھ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موئن جوڈیرو کے برابر قدیم مگر ہنرمندی اور کاریگری میں اس سے بہتر بتائی جاتی ہے۔

اسی طرح جھالاوان، لس بیلہ اور دوسرے مقامات پر جو کھدائی کی گئی ہے ان سے ایسی چیزیں دستیاب ہوئی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان علاقوں کے لوگ کسی زمانے میں اعلیٰ تہذیب و تمدن کے مالک تھے۔ خضدار کے قریب دریافت ہونے والے مٹی کے برتن اور دوسرے مقامات سے آلات موسیقی اور زیور بھی یہاں کی تہذیب کا پتہ دیتے ہیں۔ بعض مقامات سے محمد بن تغلق کے زمانے کے سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

سبی سے ۸ میل کے فاصلے پر لونی کے قصبے کے قریب ایک قلعے کے کھنڈر ملے ہیں۔ سی کے قریب میر چاکر خان رند کا مشہور قلعہ بھی یہاں کے اہم آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے شکن شاہ بیگ ارغون نے تعمیر کیا تھا۔ سی ہی کے قریب آرمنی زبان میں لکھے ہوئے کچھ کتبے بھی دستیاب ہوئے ہیں جو ساتویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈھاڈر کے نزدیک مہرگڑھ کے آثار ۵ جون ۱۹۷۷ء کو دریافت ہوئے۔ کھدائی کا کام آثار قدیمہ کے ایک مشہور فرانسیسی ماہر جین فرنکولس جانیز کی نگرانی میں شروع ہوا۔ مہر گڑھ کی کھدائی کی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہاں پر قدیم تہذیب کے ارتقاء کے مختلف ادوار صاف نظر آتے ہیں جو کہ سات ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر حال تک موجود ہیں۔

بلوچستان کی سیاحت گاہیں[۱۰] یہ ہیں: زیارت (کوئٹہ سے ۷۵ میل اور ضلع زیارت کا صدر مقام ہے۔ اسے بلوچستان کا دل کہتے ہیں۔ قائداعظم ہاؤس یہیں ہے۔ قائداعظم نے اپنے آخری ایام یہیں گزارے تھے۔ آپ اسے پاکستان کا "سوئزر لینڈ" کہتے تھے۔ مشہور پھل چیری زیارت اور کوئٹہ میں پیدا ہوتا ہے۔ زیارت صنوبر کے خوب صورت جنگلوں میں گھرا ہوا ہے) صنوبر کے بعض درخت پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ ریذیڈنسی میں قائداعظم کے نوادرات اپنی اصل حالت میں رکھے گئے ہیں۔ زیارت کے اردگرد چند ایک قابل دید مقامات اور بھی ہیں جن میں سنڈیمن تنگی، فرن تنگی، پراسپیکٹ پوائنٹ، مزار بابا خرواری وغیرہ شامل ہیں۔ کوئٹہ کے قریب ہنہ، اوڑک (وادی ہنہ اوڑک کو ثمرستان بھی کہتے ہیں) نیشنل پارک ہزار گنجی، سوں میانی، بند خوشدل خاں (پشین) دامن کوہ باطل۔ پیر غیب، ہربوئی (زیارت کے بعد بلوچستان کا سرسبز پہاڑ ہے) مہرگڑھ (آثار قدیمہ) حب ندی سے لے کر جیوانی تک ساحل کی میلوں لمبی پٹی ہے جس کا شمار دنیا کے چند ایک خوبصورت ساحلوں میں ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئٹہ چھاؤنی میں شہرۂ آفاق سٹاف[11] کالج ہے جو اپنی نوعیت کا بہترین ادارہ ہے۔ جس میں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے اعلیٰ فوجی افسروں کو تربیت دی جاتی ہے۔ کوئٹہ میں ادارۂ طبیعات الارض کا ہیڈ کوارٹر بھی واقع ہے۔ جس کا زلزلہ پیما' دنیا کے چار بہترین زلزلہ پیماؤں میں شمار ہوتا ہے۔

قلات میں سردیوں میں خاصی سردی پڑتی ہے۔ لیکن گرمیوں کا موسم صحت بخش اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یہاں کا چھ منزلہ میری قلعہ جو ۱۹۳۵ء کے زلزلہ میں مسمار ہو گیا تھا۔ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ ۱۳ار نومبر ۱۸۳۹ء کو جب انگریزوں نے اس شہر پر حملہ کیا تو خان قلات میر محراب خان نے اس قلعے میں ان کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔

بلوچستان کا ایک اور مشہور شہر خضدار (قزدار' قصدار) ہے جو آج کل قلات ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ فارسی کی مشہور شاعرہ رابعہ[12] خضداری جو فارسی کے قدیم شاعر رود کی ہمعصر تھیں' تیسری صدی ہجری میں یہیں پیدا ہوئی تھیں۔

تربت[13] ضلع مکران کا صدر مقام ہے۔ یہاں دریائے کیچ کے کنارے پنوں کا قلعہ' معروف رومانی داستان کی یادگار کے طور پر اب تک موجود ہے۔ یہاں کی مخصوص بلوچی کشیدہ کاری کی نہ صرف ملک میں بلکہ غیر ممالک میں بھی مانگ ہے جس سے زرمبادلہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ یہاں کھجوروں کو صاف کرنے اور سائنٹیفک طریقے سے محفوظ کرنے کا ایک پلانٹ بھی کام کر رہا ہے۔

چاغی[14] میں کابل کے سردار عبدالرحمان کا کچا قلعہ موجود ہے۔ مکران[15] پر پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔ محمد بن قاسم نے سب سے پہلے بلوچستان کا علاقہ گجکور فتح کیا۔ کوئٹہ سبی سیکشن پر سب سے لمبی سرنگ پانیر ۳۲۱۰ فٹ لمبی ہے۔ بلوچستان میں سب سے بڑا زلزلہ[16] ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو آیا۔ جس میں ۶۰ ہزار نفوس ہلاک ہوئے۔

قائداعظم ۲۶[17] جون ۱۹۴۳ء کو پہلی مرتبہ بلوچستان تشریف لائے۔ دوسری بار ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو آئے۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ہائی سکول مستونگ (جس جگہ اب پبلک سکول ہے) کا معائنہ کیا۔ قائداعظم نے سب سے پہلے کوئٹہ میں "جناح کیپ" پہنی تھی۔ قائداعظم ۱۱ر فروری ۱۹۴۸ء کو قیام پاکستان کے بعد "شاہی دربار" میں شرکت کے لئے سبی آئے۔ قائداعظم نے ہی اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کو ۱۹۴۵ء میں "چھوٹا علی گڑھ" کہا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلوچستان کی پہلی صوبائی اسمبلی کے لئے انتخابات[18] ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ہوئے۔ پہلی اسمبلی میں اراکین کی مجموعی تعداد ۲۱ تھی۔ خواتین کے لئے صرف ایک نشست تھی۔ بلوچستان اسمبلی کے پہلے اسپیکر محمد خان باروزئی تھے۔ صوبائی اسمبلی کی نئی عمارت کا افتتاح اس وقت کے وزیراعظم پاکستان جناب محمد خان جونیجو نے ۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء کو کیا۔ بلوچستان یونیورسٹی[19] ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو گورنر بلوچستان کے ایک آرڈیننس کے ذریعہ قائم ہوئی۔ جناب جسٹس دراب پٹیل اس کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ بلوچستان ہائی کورٹ کیم دسمبر ۱۹۷۶ء کو قائم ہوئی۔ اس کے تین ججوں نے[20] ۶ دسمبر ۱۹۷۶ء کو کام شروع کیا۔ خاران[21] میں ایشیا کا سب سے بڑا شمسی توانائی کا مرکز قائم کیا گیا ہے۔ بلوچستان کے مشہور کھیل[22] یہ ہیں: فٹ بال، ہاکی، کرکٹ، والی بال، باکسنگ، تن سازی، اسکواش، شطرنج، پولو۔

بلوچستان ایک قبائلی سرزمین ہے۔ یہاں صدیوں سے قبائلی نظام رائج، راسخ اور کار فرما ہے۔ اس سلسلے میں بلوچ، براہوئی اور پشتون علاقوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ معاشرت، معیشت اور سیاست سب قبیلے کے گرد گھومتی ہیں۔ البتہ کہیں قبیلہ زیادہ اہم ہے جیسے پشتون علاقوں اور مکران میں اور کہیں قبیلے کا سردار جیسے مری، بگٹی، مینگل اور بزنجو علاقوں میں۔ کہیں ایک ہی سردار بلاشرکت غیرے مقتدر ہے جیسے خاران اور لس بیلہ میں اور کہیں سردار ایک باقاعدہ درجہ بندی کی چوٹی ہے جیسے مری اور بگٹی علاقوں میں۔ کہیں قبائلی گرفت قدرے ڈھیلی ہے جیسے مشرقی بلوچستان میں اور کہیں یہ بہت مضبوط ہے جیسے شمال مشرقی اور وسطی بلوچستان میں۔

اس نظام کا ایک خاصہ جرگہ ہے جو ہر سطح کے تنازعات کو اسی سطح پر تورہ یا رسم و رواج کے مطابق طے کرتا ہے۔ اس نظام کا اپنا ایک ضابطہ اخلاق بھی ہے جسے ہر قبائلی جزو ایمان سمجھتا ہے۔ بڑے بڑے بلوچ قبائل مری، بگٹی، جمالی، مگسی، کھوسہ وغیرہ ہیں۔ بڑے بڑے براہوئی قبائل مینگل، زہری، محمد حسنی، بزنجو، رئیسانی، کرد وغیرہ ہیں اور بڑے بڑے پشتون قبائل کاکڑ، مندوخیل، ترین، اچکزئی اور ناصر وغیرہ ہیں۔

حصہ دوم

بلوچستان۔ قیام پاکستان کے وقت

انگریزی حکومت نے انتظامی اعتبار[23] سے بلوچستان کو دو جغرافیائی حصوں میں منقسم کیا تھا:

۱۔ برٹش بلوچستان

۲۔ ریاستی بلوچستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- برٹش بلوچستان پشتون قبائلی علاقوں کے علاوہ مری بگٹی قبائلی علاقے اور ان قبائلی علاقوں پر محیط تھا' جہاں سے ریلوے لائن اور وہ فوجی شاہراہیں گزرتیں جو برصغیر پاک و ہند کو افغانستان اور ایران سے ملاتی تھیں۔ ان علاقوں میں تمام معاملات اور ضروری امور کے لئے بااختیار مرکزی شخصیت ایجنٹ ٹو گورنر جنرل (اے۔ جی۔ جی) کی ہوا کرتی اور وہ براہ راست وائسرائے ہند کے تابع ہوا کرتا تھا۔ اس کا اپنا ایک سیکرٹریٹ اور اس میں دو بڑے عہدے ہوتے تھے۔ ایک ریونیو معاملات کو نبٹاتا اور دوسرا عدالتی امور کو سرانجام دیتا تھا۔ اصل میں یہ دونوں افسران چیف کمشنر یعنی اے جی جی کے نام پر سب کام کرتے تھے۔ اضلاع میں پولٹیکل ایجنٹ یا ڈپٹی کمشنر سب انتظامی امور میں صاحب اختیار ہوتے۔ وہی اپنے اپنے اضلاع میں متعین فوج کے کمانڈنٹ ہوتے اور فوج انہی کے حکم پر نقل و حرکت کرتی۔ وہ قبائلی لیویز جو پولیس کے فرائض انجام دیتی' کے سربراہ بھی ہوتے۔ علاوہ ازیں وہ ریونیو کے اعلیٰ افسر' سب ریونیو کے فیصلوں کے اختیار کے مالک' عدلیہ کے سربراہ' اور جرگہ کے توسط سے قبائلی اور انفرادی معاملات میں فیصلے صادر کرتے۔

ضلع' سب ڈویژن اور تحصیل کے انتظامی یونٹوں میں تقسیم ہوتا مگر سب ڈویژنوں اور تحصیلوں کے افسران کے پاس پالیسی کا کوئی معاملہ نہ ہوتا۔ وہ احکامات کی تعمیل کا ذریعہ ہوتے تھے۔

ایجنٹ برائے گورنر جنرل (اے جی جی)

ریونیو کمشنر — جوڈیشنل کمشنر

پولٹیکل ایجنٹ بہ اختیارات ذیل

۱- ضلع کا چیف جوڈیشنل افسر
۲- ضلع کا چیف ریونیو افسر
۳- ضلع میں متعین فورس کا سربراہ
۴- قبائلی لیویز کا سربراہ

تحصیل دار — ای اے سی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں تو یہ ڈھانچہ برطانوی ہند کے ضلعی ڈھانچہ سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن برطانوی ہند کے ڈپٹی کمشنر کے مقابلے میں یہاں کا ضلعی حاکم بہت زیادہ اختیار کا مالک ہوتا اور وہ ضلع کی حد تک بنیادی باتوں پر پالیسی کے فیصلے کرنے کا مجاز ٹھہرتا تھا۔

۲۔ ریاستی بلوچستان قلات، لس بیلہ، خاران اور مکران کی ریاستوں پر مشتمل تھا۔

خان قلات اپنے ماتحت سرداروں کے ذریعہ حکومت کرتا۔ معاہدہ مستونگ کے انتظامی ڈھانچہ نے سرداروں کو زیادہ بااختیار بنا دیا تھا۔[۲۴] وہ اپنے علاقوں کے ٹیکسوں کی وصولی، قبائلی مقدمات کی سماعت اور امن و امان کے معاملات کی نگرانی کے ذمہ دار تھے۔ ان کے فیصلوں کے خلاف صرف خان کے پاس اپیل کی جا سکتی تھی مگر امرواقعہ یہ ہے کہ ایسی کوئی اپیل شاید ہی ہوئی ہو۔ ان علاقوں میں انتظامی افسران فقط نام کے ہوتے تھے۔ معاہدہ مستونگ نے خان قلات کو ان سرداروں کے علاقوں میں افسروں کی تعیناتی کا اختیار دیا تھا اس لئے سارے علاقے کو مختلف انتظامی یونٹوں جیسے مکران، جھالاوان، ساراوان اور کچھی میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان انتظامی یونٹوں میں خان قلات اپنے ناظم تعینات کرتا جو عام طور پر اس کے اپنے خاندان کے لوگ ہوتے۔ یہ علاقے نظامت کہلاتے۔ ناظم کے تحت ایک نائب ہوتا جو ریاستی ٹیکسوں کو وصول کرتا تھا۔ معاہدۂ مستونگ کی رو سے نائب، سرداروں کی نجی املاک کے ٹیکس وصول نہیں کر سکتا تھا۔

انگریز منتظمین اور محققین ہمیشہ اس بات پر قائم رہے کہ بلوچ بنیادی طور پر قبائلی تنظیم کا تابع ہوتا ہے۔ اور سردار کا اطاعت گزار اور قبائلی کوڈ (روایات) کا پابند ہوتا ہے۔ اسی لئے انہوں نے بلوچ علاقوں میں ہمیشہ سردار کو زیادہ وقعت دی اور اسی کے ذریعہ اپنا کام نکالتے رہے۔

ریاست قلات کے علاوہ مری، بگٹی اور کھیتران کے قبائلی علاقے میں بھی وہ اسی پالیسی کو اپنائے رہے۔ ان علاقوں میں وہ ہمیشہ کوشاں رہے کہ انتظامی افسران کو قبائل سے فاصلے پر رکھیں۔ جس جس مقام پر ان کے مفادات زیادہ ہوتے وہیں وہ خود نگرانی کی خاطر موجود ہوتے۔ جیسے موجودہ نصیر آباد اور ضلع چاغی کے علاقے جو بنیادی طور پر بلوچ قبائل پر مبنی ہیں۔ چونکہ ریل، سڑک اور ٹیلی گراف کے تار انہی علاقوں سے گزرتے، اس لئے ان علاقوں کے انتظامی امور سدا ان کے اپنے پاس ہوتے۔ علاوہ ازیں ان علاقوں میں فوج اور پولیس بھی موجود رہتی۔

خان قلات اصولاً تو خود مختار حاکم تھا مگر ہر بنیادی معاملے میں انگریز ریذیڈنٹ اور ایجنٹ برائے گورنر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنرل (اے جی جی) ہی فیصلے کا مجاز تھا۔ ویسے یہ فیصلے خان کے نام سے ہوتے اور خان کو اس خاموشی کے بدلے ہند کی انگریز سرکار سے وظیفہ اور امداد ملتی، ان دنوں مندرجہ ذیل انتظامی ڈھانچہ موجود تھا:

خان قلات

(بہ مشاورت ایجنٹ گورنر جنرل)

سرداران جھالاوان — سرداران ساراوان

ناظم

مستوفی

نائب

۱۵ نومبر[۲۵] ۱۹۳۹ء کو جام میر غلام قادر خان لسبیلہ کا حکمران تسلیم کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد ہی جام موصوف نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو قبالہ اشتمال پر دستخط کر کے اپنے تدبر کا بین ثبوت دیا۔

۱۹۳۹ء[۲۶] میں نواب میر حبیب اللہ خان نوشیروانی اور والی قلات کے مابین تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے اور نتیجتاً خاران کو قلات سے علیحدہ ہونا پڑا اور جولائی ۱۹۴۰ء میں خاران کو ایک الگ ریاست تسلیم کیا گیا۔

۱۹۴۰ء میں ایک ڈسپنسری خاران میں قائم ہوئی جس کا سالانہ خرچ ۱۳۰۷ روپے تھا اور ۱۹۴۱ء میں خاران میں پہلی دفعہ ایک پرائمری سکول کھولا گیا جس کا سالانہ خرچ نو سو روپے تھا اور طلباء کی تعداد ۶۲ تھی۔

۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو نواب حبیب اللہ خان والی خاران نے قبالہ اشتمال پر دستخط کر کے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ انگریزی دور[۲۷] حکومت میں نواب بائی خان نہایت پرامن رہا اور پاکستان کے عالم وجود میں آنے پر ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو اس نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا اور قبالہ اشتمال پر دستخط کر دیئے یوں پاکستان میں شامل ہو کر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے بلوچستان سٹیٹس یونین کا ایک ممبر تسلیم کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید محمود شاہ بخاری نے لکھا[۲۸] ہے کہ خان قلات نے قائداعظم سے بذریعہ تار زبردست احتجاج کیا تھا کہ آپ میری ماتحت ریاستوں کا الحاق حکومت پاکستان کے ساتھ رکھیں گے اور ہم حکومت پاکستان سے عدل و انصاف کی امید رکھتے ہیں، ہم نے کسی حالت میں ماضی میں بھی قلات کی غلامی کو ہرگز برداشت نہیں کیا ہے اور نہ مستقبل میں کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ حکومت پاکستان نے ہم کو قلات کی غلامی کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا تو خاران کا بچہ بچہ خاران کی آزادی کے لئے کٹ مرے گا، لیکن قلات کی غلامی کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا، اور قلات کے ہر حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔

سینیٹر نوابزادہ شیخ عمر خان فرزند اکبر جناب نواب بائی خان آف مکران نے اپنے انٹرویو[۲۹] میں کہا تھا کہ قائداعظم نے میرے والد سے ارشاد فرمایا:

> بائی خان! موجودہ والیان ریاست کو انگریزوں نے بنایا ہے اور آپ کو پاکستان نے، ہم آپ کو ایک مثالی والی ریاست، پاکستان میں بنائیں گے۔

میرے والد نے جواباً عرض کیا کہ

> میں تو آپ کا ایک خادم ہوں۔ آپ نے اس باغ کو لگایا ہے۔ میں بجائے بڑے بڑے تناور درختوں کے چھوٹے بوٹوں اور جھاڑیوں کی خدمت کرتا رہوں گا۔
>
> آپ میرے (Demands) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ میرا کوئی مطالبہ نہیں۔ جب آپ کا لگایا ہوا یہ باغ سرسبز و شاداب ہو گا تو میں خود کو محروم نہیں پاؤں گا۔

تعلیم

انگریزوں سے[۳۰] پہلے اور انگریزوں کے ابتدائی زمانے میں اس خطے کی تعلیم "ملاؤں" (ملا کا لفظ بڑا قابل احترام تھا) کے ہاتھ میں تھی۔ جو مکاتب میں قرآن حکیم، حدیث شریف، گلستان، بوستان، سکندر نامہ وغیرہ کے علاوہ لکھنا پڑھنا بھی سکھاتے تھے۔ مکتبوں کا یہ نظام مسجدوں میں قائم تھا۔ اساتذہ کسی قسم کا معاوضہ وصول نہیں کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ (جو زمین کی پیداوار اور پالتو جانوروں پر مشتمل تھی) خیرات اور بیاہ شادی کے نذرانے اس نظام تعلیم کو چلانے میں معاون تھے۔

انگریز اس نظام تعلیم[۳۱] کو ۱۸۳۵ء میں مسترد کر کے ہندوستان میں اپنا انگریزی نظام تعلیم جاری کر چکے تھے چنانچہ بلوچستان میں بھی وہ پرانے نظام تعلیم کو پسند نہیں کرتے تھے اس کے باوجود یہ تعلیم، اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشتملات، تصورات، اوقات اور اخراجات یہاں کی سماجی زندگی سے ایسے ہم آہنگ تھے کہ سرکاری سرپرستی کے فقدان بلکہ سرکاری مخالفت کے باوجود یہ تعلیم سینکڑوں مکاتب میں رواں دواں رہی جیسا کہ مندرجہ ذیل گوشوارے سے ظاہر ہے۔

سال	تعداد مکاتب	تعداد طلبا
۱۰-۱۹۰۹ء	۱۰۹	۱۴۵۹
۲۰-۱۹۱۹ء	۲۰۰	۲۶۱۴
۳۰-۱۹۲۹ء	۲۰۸	۲۸۲۹
۴۰-۱۹۳۹ء	۶۰۵	۵۸۱۸

(مشمولہ بہ ۲۸۵ طالبات)

تاہم انگریزوں کی اپنی بین الاقوامی مصلحتوں اور سیاسی ضروریات کے تحت موجودہ نظام تعلیم کا نفاذ ضروری سمجھا گیا۔[۳۲] چنانچہ ۱۸۸۱ء میں کوئٹہ میں پہلا اینگلو ورنیکلر مڈل سکول کھولا گیا جو بعد میں بلوچستان کے پہلے انگریز اے جی جی سر رابرٹ سنڈیمن کے نام سے منسوب کیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں جب اس سکول کا پہلا مڈل امتحان ہوا تو کوئٹہ میں ہی طالبات کے لئے ۲۹ نومبر ۱۸۸۹ء کو پہلا پرائمری سکول قائم کیا گیا جسے لیڈی سنڈیمن گرلز سکول کا نام دیا گیا۔ سکول کا سنگ بنیاد لیڈی سنڈیمن نے رکھا۔ اس کی عمارت کے لئے ایک پارسی سوداگر برجور جی ڈی پٹیل نے پانچ ہزار روپے کا عطیہ دیا۔ اسی سال چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک یورپین سکول کا اجرا بھی کوئٹہ میں ہوا۔ ریاستی بلوچستان میں پہلی مرتبہ[۳۳] ۱۹۰۴ء میں بمقام مستونگ طلبہ کے لئے ایک پرائمری سکول قائم ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں اسے مڈل سکول بنایا گیا اور ۱۹۳۷ء میں ہائی سکول کا درجہ دیا گیا۔ سب سے پہلا ہائی سکول ہونے کی حیثیت سے اس سکول کو یہ فخر حاصل ہے کہ ریاستی بلوچستان کے اکثر تعلیم یافتہ حضرات اسی درس گاہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اسی ادارے میں قائداعظم محمد علی جناح ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو تشریف لائے اور اپنے قلم سے وزیٹرز بک میں اپنے تاثرات رقم فرمائے۔

مکران میں شاہی تمپ میں بنام کیچ سکول ۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو کھولا گیا۔ اس سکول کے بانی پنشن یافتہ سب انسپکٹر پولیس جناب غلام حسین شاہ تھے۔ ۲۶-۱۹۲۵ء میں "بجگور" کلاتک اور نصیر آباد میں پرائمری سکول کھل گئے۔ اور ۱۹۳۷ء میں تربت پرائمری سکول کو مڈل بنا دیا گیا۔[۳۴]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جام میر غلام محمد خان[۳۵] (۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۷ء) والئی لس بیلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ تھا۔ اس نے بیلہ میں پرائمری سکول کو مڈل بنایا۔ دو مزید پرائمری سکول اوتھل اور سون میانی میں بھی قائم کئے۔ ۱۹۲۰ء میں کوئٹہ میں محکمہ تعلیم کا ایک الگ سپرنٹنڈنٹ متعین ہوا جس کے تحت برٹش بلوچستان کا سارا علاقہ تھا۔[۳۶] ریاستی بلوچستان کا جداگانہ انتظام تھا۔ پیشتر ازیں سنڈیمن ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر ہی سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں پہلی بار مڈل کا امتحان بلوچستان کے محکمہ تعلیم نے خود لیا۔ دو سو سات امیدواروں میں سے ایک سو سینتالیس کامیاب ہوئے جنہیں محکمے کی جانب سے سندیں دی گئیں اور نارمل سکول میں تیرہ امیدواروں نے تربیت حاصل کی۔

انگریزوں کا دور ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان پر ختم ہوا تو اس ستر سالہ[۳۷] دور میں برٹش بلوچستان میں ۱۱۵ اور ریاستی بلوچستان میں ۵۲ سکول یعنی کل ۱۶۷ تعلیمی ادارے تھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ پرائمری سکول	:	۱۳۸ (۹ برائے طالبات)
۲۔ مڈل سکول	:	۱۶ (۳ برائے طالبات)
۳۔ ہائی سکول	:	۱۱ (ایک برائے طالبات)
۴۔ ہائر سیکنڈری سکول / انٹر کالج	:	۱ (مخلوط تعلیم)
۵۔ ٹیچرز ٹریننگ سکول (نارمل سکول)	:	۱
۶۔ کل تعداد طلباء و طالبات	:	۱۳٫۵۶۳
۷۔ بجٹ	:	۴٫۷۰٫۲۵۴ روپے
۸۔ وظائف	:	۷۰٫۵۰۰ روپے

صحت:

قدیم طریقہ علاج[۳۸]:

اس صوبے میں تو اس میدان میں صورت حال کچھ عجیب سی رہی ہے کم و بیش زمانہ قبل از تاریخ جیسی، انگریزوں کے آنے سے قبل یہاں نہ تو صحت کی کوئی تنظیم تھی اور نہ ہی طبی ادارے لوگ اپنی طبی ضروریات قدیم مقامی طریقوں سے پوری کرتے تھے۔ اکثر لوگ توہم پرست تھے اور وہ مذہبی رہنماؤں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروں، بزرگوں کی دعاؤں پر یقین رکھتے تھے، لوگ بیمار ہوتے تھے تو ان ہی کے پاس چلے جاتے، دم، تعویذ گنڈہ کرا لیتے اور پھر اسی اعتقاد کے ساتھ واپس لوٹ جاتے کہ بیماری سے چھٹکارا پالیں گے۔ جن، پری اور بھوت، پریت اور سایہ وغیرہ پر بھی اعتقاد رکھتے تھے اور انہی سے بیماریوں کو بھگا دینے کی کوشش میں رہتے۔ دیسی طریقہ علاج کے سلسلے میں بخار کی صورت میں مریض کو دنبے یا بکرے کی تازہ کھال میں لپیٹ دیا جاتا، پیٹ یا سر کا درد ہوتا تو لوہا گرم کر کے داگ (داغ) دیا جاتا۔ پیٹ کے اندر کا حال معلوم کرنے کے لئے پتیل کے برتن میں پانی ڈالتے اور اس میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیتے۔ بچے کی "نظر" اتارنے کیلئے کھجور کے تازہ پتے خاص طریقے سے کاٹ کر کسی پیر یا ملا سے دم کروا کر کسی برتن میں پانی بھر کر اس میں ڈال دیتے اور اس پانی کو میدان میں پھینک دیتے۔ زکام ہو جانے کی صورت میں ناک سے بہتا ہوا پانی کسی کپڑے پر ڈال کر پتھر باندھ کر باہر پھینک دیتے۔ اعتقاد تھا کہ جو اس کپڑے کو اٹھائے گا اسے زکام منتقل ہو جائے گا۔ گوات کی خاص بیماری کے لئے موسیقی کا سہارا لیا جاتا اور مریض جھومنے لگتا، وجد میں اس پر "حال" کی کیفیت طاری ہو جاتی اور یہ صحت یاب ہو جانے کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ یا پھر حکیم اور طبیب کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاتا جو مریض کا علاج کثرت میں پیدا ہونے والی مقامی جڑی بوٹیوں سے کرتے۔ یہ جڑی بوٹیاں آج بھی بڑی موثر ہیں اور انہیں جدید سائنسی طریقوں سے دوائیوں کی شکل دی جاتی ہے اور یہ دوائیاں نہ صرف ملک کے دوسرے حصوں میں استعمال میں لائی جاتی ہیں بلکہ دنیا کے بعض ممالک میں انہیں برآمد کر کے زرمبادلہ بھی کمایا جاتا ہے ان میں ایفڈرا کافی مشہور ہے جس سے ایک مقامی دواساز فیکٹری ایفڈرین نامی دوا تیار کرتی ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں طبی سہولیات

انگریزوں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اس علاقے میں صحت کے ڈھانچے کی تشکیل دی۔ طبی ادارے قائم کئے اور ان کا کنٹرول ایجنسی کے سرجن کے سپرد کیا۔ انتظامی میڈیکل آفیسر کو مرکزی کنٹرولنگ اتھارٹی بنا دیا گیا۔ کوئٹہ میں ایک سول سرجن کا تقرر کیا۔ گیریزنز سٹیشنوں کے فوجی یورپی میڈیکل آفیسروں کو صوبے کے دوسرے علاقوں میں قائم ہونے والے ہسپتال اور ڈسپنسریوں کا سول سرجن مقرر کیا گیا۔ سات اسسٹنٹ سرجن اور ۲۰ ہسپتال کے اسسٹنٹ بھرتی کئے گئے۔ صوبے کا سب سے بڑا ہسپتال کوئٹہ میں قائم کیا گیا۔ دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہسپتالوں کو ڈفرن فنڈز کی مدد سے چلایا گیا ان اداروں کی آمدن کا بیشتر دارومدار صوبائی ریونیو کی گرانٹ سے تھا۔ ملیریا بخار، پیشاب کی تکلیف، آنکھوں کی کراتک قسم کی سوزش اور ورم کراتک السر (از قسم ناسور) بشمول فرنٹیر سور کے پیچش کا چیکسیا (Cachexia)، سکری (Scury) اور ہیومیٹسزم عام (مختص الملک) بیماریاں اس زمانے میں تھیں۔ اور ان بیماریوں کے پھیلنے کی بڑی وجہ ناکافی لباس غیر مفید اور غیر صحت مند جائے رہائش۔ خوراک کی کمی، گردوغبار اور ماحول میں خشکی تھی۔ مہلک بیماریوں میں چیچک، خسرہ، ٹائیفائیڈ بخار اور ہیضہ کی بیماریاں شامل تھیں۔ اس علاقہ میں ہیضہ ۱۸۸۷ء اور ۱۹۰۳ء کے درمیان پھیلا۔ جب کہ ٹائفس ۱۸۹۱ء سے چار بار پھیلا۔ ۱۸۸۶ء میں قائم ہونے والے ریلوے اسٹیشنوں پر کیمپوں نے طاعون کو بلوچستان کے شمالی علاقوں میں پھیلنے سے روکا البتہ سون میانی کے علاقے میں یہ وبا ۱۹۰۲ء میں پھیلی۔ صوبے میں پاگلوں کے لئے کوئی ہسپتال یا مخصوص جگہ نہ تھی اس لئے انہیں حیدر آباد سندھ کے پاگل خانوں میں بھیج دیا جاتا۔ عام طور پر یہاں کے پاگلوں کا رویہ اچھا ہوتا۔ البتہ بعض اوقات وہ جذبات میں بھڑک اٹھتے اور پھر تشدد کے کاموں پر اتر آتے۔ چیچک کی بیماری محدود تھی۔ ٹیکے کی دوائی صوبائی حکومت کے زیر اہتمام تمام علاقوں میں مہیا کی جاتی اور بیرونی علاقوں میں، ملا، سید اور دیگر لوگ تقریباً مفت اس کا ٹیکہ لگاتے۔ اس وقت کے صرف چار آنے فی ٹیکہ وصول کرتے۔ ۱۸۹۶ء میں ۱۲۵۰۰ ٹیکے لگائے گئے تھے جن میں سے گیارہ ہزار کامیاب ثابت ہوئے اور ۱۸۹۵ء میں بخار کی بیماریوں کے لئے معمولی داموں ۸۹۶۴ پیکٹ کونین کی دوا فروخت کی گئی۔

دیہاتی علاقوں میں بیماری اس لئے بھی زیادہ پھیلتی کہ وہاں صفائی کا کام بالکل مفقود تھا البتہ کوہستانی علاقوں میں کاشت کے لئے کھاد کثرت سے استعمال ہوتی تھی اس لئے گندگی صاف ہو جاتی۔ خانہ بدوش اپنے کیمپ اس وقت اس جگہ سے ہٹا لیتے جب ان کے اردگرد کا ماحول زیادہ غلیظ اور گندہ ہو جاتا۔ ضلع کوئٹہ میں اس وقت سرکاری خرچ پر چلنے والا ایک ہسپتال تھا جن کا سول سرجن انچارج ہوا کرتا تھا۔ سات شفاخانے تھے جن میں سے ایک خواتین کے لئے ڈفرن فنڈ سے چلایا جاتا تھا۔ ان طبی اداروں میں ۱۱۸ بستروں کی گنجائش تھی۔ ۱۹۰۳ء میں ۶۳،۳۱۰ مریضوں کا علاج کیا گیا۔ بوستان اور شیلا باغ میں دو شفاخانے ریلوے کی انتظامیہ چلایا کرتی تھی اور دو لوکل فنڈز سے چلائے جاتے تھے باقیوں کے اخراجات صوبائی مالیات سے پورے کئے جاتے۔ ۱۹۰۳ء میں ان پر سالانہ خرچ ا.. ۱۸،۱۰۹ روپے تھا۔ چرچ آف انگلینڈ کا میڈیکل مشن دو ہسپتال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلایا کرتا تھا جن میں ۱۹۰۲ء میں ۱۹۱۹۰ مریضوں کا علاج کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بتانا غیر ضروری نہ ہو گا کہ ۱۸۹۱ء میں کوئٹہ کی آبادی ۱۸،۸۰۲ اور ۱۹۰۱ء میں ۲۴،۵۸۴ تھی۔ جس میں ۱۰،۳۹۹ مسلمان اور ۸،۶۷۸ ہندو اور ۳۶۷۸ عیسائی تھے اور باقی سکھ اور پارسی وغیرہ تھے۔

اس زمانے کی طبی سہولیات کا اس گراف سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے :

	۱۸۹۱ء	۱۸۹۶ء	۱۹۰۱ء	۱۹۰۳ء
۱۔ ہسپتال اور شفاخانے	۱۲	۱۵	۱۶	۱۷
۲۔ ریلوے پرائیویٹ اور ریاستوں کے انتظام میں چلنے والے ادارے	۷	۹	۱۰	۱۱
۳۔ تمام ذرائع سے آمدنی	=/۲۷،۷۰۰ روپے	=/۲۹،۶۰۰ روپے	=/۴۳،۱۰۰ روپے	=/۵۹،۳۰۰ روپے
۴۔ اخراجات	=/۲۶،۰۰۰ "	=/۳۰،۸۰۰ "	=/۴۲،۹۰۰ "	=/۶۲،۰۰۰ روپے
۵۔ دوائیوں، خوراک اور اور عمارات پر خرچ	=/۷۲۰۰ "	=/۹۶۰۰ "	=/۱۰،۰۰۰ "	=/۳۷،۰۰۰ روپے
۶۔ پاگلوں کی خوراک وغیرہ پر سالانہ فی کس خرچ پائی آنے روپے	۷۰-۷-۹	۱۰۳-۹-۱۰-	۱۰۹-۶-۵-	۱۰۴-۸-۶

انگریزوں نے اپنے یہاں آنے کے بعد پہلے تو اپنی افواج کے افراد کی طبی ضروریات کے لئے باقاعدہ ہسپتال اور ڈسپنسریاں (شفاخانے) قائم کئے اور فرسٹ ایڈ کا انتظام کیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں انہوں نے سول آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کوئٹہ کے علاوہ چمن گلستان، پشین اور قلات میں مردانہ / زنانہ ہسپتال اور شفاخانے قائم کئے اور ریلوے ملازمین کے لئے بوستان، شیلا باغ، مچھ، سبی اور کوئٹہ میں شفاخانے قائم کئے۔ صوبے میں پہلے شفاخانے کوئٹہ اور قلات میں قائم کئے گئے پہلے میڈیکل آفیسر کا تقرر ۱۸۷۷ء میں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیسویں صدی کے شروع میں بلوچستان میں طبی سہولیات

نام ضلع/ریاست	ہسپتال	شفاخانہ	بستر	سالانہ اخراجات	مریضوں کا علاج
۱- کوئٹہ پشین	۴	۷	۱۱۸	۱۸،۱۰۹/ روپے	۶۳،۳۱۰ سالانہ
۲- سبی	۱	۵	۷۴	۹۰۰۰/ روپے	۲۱ روزانہ
۳- لورالائی	-	۵	۲۰	۱۰،۰۰۰/ روپے	۲۰۸ روزانہ
۴- ژوب	-	۴	۳۶	۹۴۰۰/ روپے	۳۰،۴۳۲ سالانہ
۵- چاغی	-	۱	۸	۱۶۴۸/ "	۳۳ روزانہ
۶- بولان	-	۱	۱۳	-	۳۶۷۵ سالانہ
۷- قلات	-	۲	-	۵۳۰۰/	۸۹۱۹ "
۸- ساراوان	-	۲	-	۵۳۰۰/	۸۹۱۹ "
۹- بیلہ	-	۱	-	۱۸۰۰/	۴۷۵۰ "

۱۰- کچھی (کوئی ہسپتال یا شفاخانہ موجود نہ تھا) (نوٹ) لوگ عام طور پر توہم پرست تھے۔

۱۱- جھالاوان (- - - -) لوگ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے یا قلات کے شفاخانے میں مریض کو لے جاتے۔

۱۲- خاران - - -

۱۳- مکران (ہسپتال کا ایک اسسٹنٹ ناظم کے ساتھ ملحق تھا جو بعض کیسوں میں طبی سہولت بہم پہنچاتا)

فوجیوں کے لئے علاج معالجے کا الگ انتظام تھا۔ مختلف علاقوں میں فوج کا سول سرجن ہی سول ہسپتال یا شفاخانے کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے پر اس میدان میں بھی ایمرجنسی کی وجہ سے ترقی محدود ہو گئی اور سی ایم ایچ مشن ہسپتال، لیڈی ڈفرن ہسپتال، نئے سول ہسپتال اور ریلوے ہسپتال، عوام کی طبی ضروریات پوری کرنے لگے۔ قیام پاکستان سے قبل اس علاقے میں بھی غیر مسلم ڈاکٹروں کی اکثریت تھی۔ طبی سہولیات کے سلسلے میں ایک اور سنگین مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ آزادی کے حصول کے بعد غیر مسلم ڈاکٹر اس ملک سے چلے گئے جس کی وجہ سے صحت کے عملے میں مزید کمی پیدا ہو گئی اور صحت کے مسئلے اور پیچیدہ اس لئے بھی ہو گئے کہ ہندوستان سے مہاجرین کی ایک خاصی تعداد آ گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام پاکستان[۳۹] کے وقت اس وسیع و عریض صوبے میں صرف سات ہسپتال اور ۳۴ شفاخانے تھے جن میں بستروں کی کل تعداد ۳۷۴ تھی۔ کوئی گشتی شفاخانہ پھیلی ہوئی آبادی کے لئے نہیں تھا اور نہ ہی کوئی صحت کے مرکز یا زچہ بچہ یا خاندانی منصوبہ بندی کے مراکز تھے' نہ کوئی میڈیکل کالج تھا اور نہ ہی نرسنگ سکول' تپ دق' ملیریا' چیچک وغیرہ کی مہلک بیماریوں کے علاج کے لئے کوئی معقول بندوبست تھا اور نہ ہی دانتوں' آنکھوں اور دوسری متعدی بیماریوں کے علاج کا انتظام۔ محکمہ صحت کا کل سالانہ بجٹ چھ لاکھ روپے سے قدرے زیادہ تھا۔

اس میں کلام نہیں کہ صحت کی سہولیات ناکافی تھیں مگر ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کے تباہ کن زلزلے سے ان کو مزید دھچکا لگا۔ صحت کے اداروں کی عمارات' سامان وغیرہ سب تباہ ہو گئے۔ زلزلے نے صحت کے اور مسائل پیدا کر دیئے جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہسپتال' ڈسپنسریاں وغیرہ خیموں اور عارضی ہٹوں میں قائم کی گئیں اور وہاں مریضوں کو علاج معالجے کی سہولیات میسر کی گئیں۔

سنڈیمن[۴۰] سول ہسپتال کوئٹہ

بلوچستان کا سب سے بڑا ہسپتال ہے جو انگریزوں کے ابتدائی دور میں ۱۸۷۷ء میں قائم کیا گیا۔ کوئٹہ کے ۳۱/۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب کو آنے والے ہولناک زلزلے میں اس کی عمارت تباہ ہو گئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں نئی عمارت کے تعمیر ہونے تک علاج معالجے کی سہولیات مریضوں کو مہیا کرنے کے لئے یہ ہسپتال خیموں اور عارضی بیرکوں میں کام کرتا رہا۔ ۱۹۴۲ء میں جب اس کی نئی دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی تو انتظامیہ کے بلاک کے علاوہ اس میں ایک میڈیکل وارڈ' ایک سرجیکل وارڈ' عورتوں کے لئے ایک وارڈ' ایک اپریشن تھیٹر' ایکسرے پلانٹ کے ساتھ کل پندرہ بلاک سات لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کئے گئے اور ایک لاکھ ستر ہزار روپے کے خرچ سے ضروری سامان فرنیچر اور بیڈنگ ہسپتال کو مہیا کئے گئے۔ ابتدا میں اس میں منجملہ ۱۱۸ بستروں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت یہ تعداد ۲۰۰ تک بڑھا دی گئی۔ سرکار کے علاوہ خان بہادر برجور جی پٹیل جیسے مخیر حضرات نے بھی اس کی توسیع کے لئے رقومات فراہم کیں۔ ہسپتال کو چلانے کا انتظام بیشتر امپیریل ریونیو' میونسپل فنڈز' میونسپل فنڈز پشین صدر اور ڈسٹرکٹ بازار فنڈز سے چلایا جاتا تھا۔ اس ہسپتال سے بیشتر فائدہ ضلع کوئٹہ پشین کے عوام ہی اٹھایا کرتے تھے اس کے علاوہ افغانستان سے آنے والے پاوندے اور خانہ بدوش بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاطمہ جناح[۴۱] ٹی بی سینی ٹوریم۔ جنرل ہسپتال

اس ادارے کا پہلا نام بلوچستان ٹی بی سینی ٹوریم تھا۔ اسے ڈیڑھ لاکھ روپے کی لاگت سے ۴۱-۱۹۴۰ء میں تعمیر کیا گیا جو اس وقت کے اے جی جی اور چیف کمشنر بلوچستان نے کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے زلزلے کے فنڈ کی بچی ہوئی رقم میں سے پانچ لاکھ رقم اس مقصد کے لئے دی تھی۔ سینی ٹوریم کی تعمیر کے لئے ایک ہندو مخیر ٹاڈومل تیلدار نے دس ایکڑ زمین عطیہ کے طور پر دی تھی۔ یہ سینی ٹوریم شہر سے تقریباً ۴ میل دور مغرب کی جانب بروری کی پہاڑوں کے دامن میں سطح سمندر سے ۶۰۵۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء کو لیڈی لنلتھ گو نے بروری روڈ پر اس کا افتتاح کیا۔ شروع میں اس میں ۲۸ بستروں کی گنجائش تھی، اسے موسمی حالات کے مطابق چلایا جاتا تھا اور سردیوں کے چار مہینوں کی مدت میں یہ بند رہا کرتا تھا۔ سینی ٹوریم کی تعمیر کے وقت ایک ٹی بی کلینک بیرونی مریضوں کے لئے شہر کے وسط میں قائم کیا گیا تھا۔ ابتدا میں سینی ٹوریم اور کلینک کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد تھا۔

ریلوے ہسپتال[۴۲]

سریاب ریلوے پھاٹک کوئٹہ کے قریب ریلوے ڈویژنل ہسپتال کی عمارت کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے ہولناک زلزلے کے بعد تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت اس میں ۶ وارڈوں اور تقریباً ۴۵ بستروں کی گنجائش تھی اور ہسپتال کو دوسرے ساز و سامان سے لیس کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر کی تعداد تین نرسوں کی تعداد ۵ اور کمپاؤنڈروں کی تعداد ۳ تھی۔

لیڈی ڈفرن ہسپتال

یہ ہسپتال خواتین اور بچوں کے علاج معالجے کے لئے نومبر ۱۸۸۹ء میں قائم ہوا۔[۴۳] اس کا نام غیر منقسم ہندوستان کے ایک سابق وائسرائے کی بیگم لیڈی ڈفرن کے نام پر رکھا گیا۔ اسے عوام سے وصول شدہ عطیات پر قائم کیا گیا۔ کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے عظیم زلزلے میں اس ہسپتال کی عمارت بھی تباہ ہو گئی تھی لیکن مریضوں اور بچوں کو علاج معالجہ کی سہولیات پہنچانے کی خاطر ہسپتال کو عارضی خیموں میں قائم کیا گیا اور ۱۹۴۱ء تک اس کا کام انہی خیموں میں چلتا رہا۔ بعد ازاں ہسپتال کی نئی عمارت آہستہ آہستہ وسائل کی فراہمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ساتھ تعمیر کی جاتی رہی' ۴۸-۱۹۴۷ء میں حکومت اسے ۸۷۷۲ روپے سالانہ گرانٹ دیتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں میونسپل گرانٹ سے اس ہسپتال کو ۳۰۰۰ روپے سالانہ ملتے تھے۔

کرسچین[۴۴] (مشن) ہسپتال

یہ عیسائیوں کا قائم کردہ ہسپتال ہے جو کہ کرسچین یا مشن ہسپتال کے نام سے مشہور ہے اور کوئٹہ شہر کی مرکزی پررونق جگہ مشن روڈ پر واقع ہے۔ یہ ڈاکٹر والٹر سٹن کی زیرنگرانی ۱۸۸۶ء میں قائم کیا گیا۔ بلوچستان میں میڈیکل سنٹر قائم کرنے کا ابتدائی کام ڈاکٹر جارج گارڈن نے ۱۸۷۸ء میں کیا لیکن زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ ۱۸۸۰ء میں انتقال کر گئے۔ بعد میں یہ کام ڈاکٹر سٹن کے سپرد ہوا وہ اور مسٹر جی شرٹ ۱۸۸۱ء میں سبی تک ریل میں آئے اور سبی سے کوئٹہ تک انہوں نے بیل گاڑی میں سفر کیا۔ ڈاکٹر سٹن نے تو آخری ۳۵ میل کا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا۔ دونوں پرانے ڈاک بنگلے کے احاطے میں دو چھوٹے خیموں میں رہے۔ ڈاکٹر سٹن نے پہلے تو شہر کے ایک بازار کی دوکان میں ایک ڈسپنسری قائم کی اور ۱۵ دن کے بعد ایک مریض کو جو کہ بلوچ تھا علاج کیا۔ مسٹر شرٹ جون ۱۸۸۶ء میں فوت ہو گئے۔

ڈاکٹر سٹن نے جنوری ۱۸۸۷ء میں پہلے رہائشی مکانوں کے لئے اور پھر اپریل میں ہسپتال کے لئے آغا جان کاسی سے زمین خریدی۔ ۱۸۸۸ء میں اس ہسپتال کی پہلی عمارت تعمیر کی گئی جس میں مریضوں کا شعبہ اور ملازمین کے مکانات شامل تھے۔ اگلے سال لاہور کے بشپ نے اس کا افتتاح کیا۔ اسی عرصے میں ڈاکٹر سٹن نے مستونگ' تیری' فرخ آباد اور ڈھاڈر کا دورہ کیا اور وہاں پر بھی ڈسپنسریاں قائم کیں۔ ۱۲ مئی ۱۸۹۲ء کو ہسپتال کی عمارت کی تعمیر مکمل ہو گئی اور اسی دن اسے مریضوں کے لئے کھول دیا گیا۔

اس ہسپتال کے لئے ڈاکٹر ایچ ٹی' ہالینڈ نے بے مثال خدمات انجام دیں اور انہی خدمات کے سلسلے میں ان کو "نائٹ ہڈ" کا خطاب ملا۔ وہ مارچ ۱۹۴۸ء تک کام کرتے رہے۔

۱۹۳۵ء تک ہسپتال میں ۱۴ پرائیویٹ وارڈ قائم کئے گئے اور بستروں کی تعداد ۲۸ سے ۱۲۰ تک بڑھا دی گئی۔ ایکسرے مشین بھی اس میں نصب کی گئی جس کے لئے خان قلات نے ۸۰۰۰ روپے کا ایک بیش بہا عطیہ دیا۔ ۱۹۳۵ء کے ہولناک زلزلے میں یہ ہسپتال بھی اور عمارتوں کی طرح تباہ ہو گیا اور مجبوراً اسے بند کرنا پڑا۔ اس کا غیر ملکی عملہ تو انگلستان چلا گیا مگر مقامی عملے کو مشن کی مستونگ روڈ اور پشین کی ڈسپنسریوں میں متعین کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ہالینڈ اور ڈاکٹر کلف خیموں میں ہسپتال قائم کر کے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۸ء میں ہسپتال میں نرسنگ سکول قائم کیا گیا۔ مسٹر ایو اور مسٹر اطلس خان اس کے صف اول کے طلبا تھے۔ ۴۰-۱۹۳۹ء میں ہسپتال کی نئی پختہ عمارت تعمیر کی گئی جس میں جنزل وارڈ، پرائیویٹ وارڈ اور سٹاف کوارٹر وغیرہ شامل تھے۔

قیام پاکستان[۴۵] سے قبل بلوچستان کے اندرونی علاقوں میں طبی سہولیات قریباً ناپید تھیں اور لوگوں کو لمبے فاصلے طے کر کے علاج معالجے کے لئے کوئٹہ آنا پڑتا تھا۔

محکمہ امور حیوانات[۴۶]

آزادی کے وقت حیوانات (وٹرنری) کے محکمہ کا دائرہ کار صرف ۱۱ وٹرنری ہسپتالوں اور ۵ وٹرنری ڈسپنسریوں تک ہی محدود تھا۔ یہ نظام برٹش بلوچستان میں ایک ڈپٹی ڈائریکٹر کی زیرنگرانی قائم تھا اور محکمہ کا محدود تعداد کا عملہ علاقہ میں محدود پیمانے پر جانوروں کے علاج معالجے پر مامور تھا۔

محکمہ پبلسٹی و نشرو اشاعت[۴۷]

دوسری عالمگیر جنگ کے آغاز (۱۹۳۹ء) سے محکمہ پبلسٹی و نشرو اشاعت کی ضرورت محسوس ہونے پر میاں نصیرالدین کو پبلسٹی کا انچارج مقرر کیا گیا۔

فوڈ ڈائریکٹریٹ[۴۸]

۱۹۴۰ء میں بلوچستان میں ایک فوڈ ڈائریکٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا پہلا ڈائریکٹر کیپٹن آئی۔ ایس چوپڑا مقرر ہوا۔

محکمہ سمال سیونگ سکیم[۴۹]

۱۹۴۵ء میں سمال سیونگ سکیم کا محکمہ بلوچستان میں قائم ہوا۔

آفس سب ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج[۵۰]

۱۹۴۶ء میں کوئٹہ میں سب ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج کا دفتر قائم ہوا۔ جنگ عالمگیر کے اختتام پر ملک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے روزگاری بڑھنے لگی کیونکہ بہت سے ایسے اشخاص جو فوجی ملازمتوں سے برطرف ہو گئے تھے، بے کار ہو گئے اس لئے اس محکمہ کے ذریعے ان کو مناسب روزگار پر لگانے کے لئے ایمپلائمنٹ ایکسچینج کا محکمہ اور دفتر کھولنا پڑا۔

معدنی ذخائر[۵۱]

۱۸۸۶ء میں کھوسٹ کے قرب و جوار میں دریائے منگی کے دائیں کنارے پر کوئلہ دریافت ہوا۔ یہاں سے ۱۸۹۱ء تک ۷ ۴ ہزار ٹن کوئلہ نکال کر چمن ریلوے کیلئے استعمال کیا گیا۔

۱۸۸۹ء میں درہ بولان میں بمقام دروازہ کوئلہ دریافت ہوا اور حکومت ہند نے کوئلہ، تیل اور دیگر معدنی ذخائر کی دریافت کے لئے بلوچستان میں مسٹر آر، ڈی۔ اولڈم اور مسٹر فلپ لیک کو بھیجا۔ کوئٹہ کے مشرق میں شارگ کے نزدیک بھی کوئلہ دریافت ہوا۔ ۱۸۹۱ء تک اس نئی دریافت شدہ سیم سے پانچ ہزار ٹن کوئلہ نکالا گیا۔

۱۹۲۵ء[۵۲] میں نواب محراب خان بگٹی، سی۔ ایس۔ آئی اور برما آئل کمپنی کے مابین ایک معاہدہ کی تکمیل ہوئی جس کے تحت کمپنی مذکور کو مٹی کا تیل نکالنے کے لئے علاقہ بگٹی میں تمام ضروری سہولتیں دی گئیں۔

۱۹۴۰ء[۵۳] میں ای۔ آر۔ جی جیالوجیکل سروے آف انڈیا نے کوہ سلطان (نوکنڈی) ضلع چاغی میں گندھک کی دریافت کی اور کافی مقدار میں وہاں سے گندھک نکالی گئی۔

کواپریٹو سوسائٹی[۵۴]

۱۹۲۰ء میں ایک کواپریٹو سوسائٹی بلوچستان میں قائم کی گئی جس کے تحت آلو کی کاشت کے لئے آلو کا ترقی دادہ تخم خرید کر مختلف مقامات پر فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ اس سوسائٹی کا مرکز سریاب کوئٹہ میں تھا۔

ریلوے

صاحب علم و حکمت، فلسفی، ادیب و شاعر، عظیم فن کار مرزا محمد ہادی رسوا (۱۸۵۸ء--- ۱۹۳۱ء) اپنی بیوی کی وفات کے بعد لکھنؤ سے بددل ہو گئے، اسے خیرباد کہا اور رڑکی جا کر انجینئرنگ کالج میں داخل ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ رڑکی سے اوور سیئری کا امتحان پاس کر کے محکمہ ریل میں ملازمت اختیار کی اور بلوچستان پہنچ گئے۔ کہتے ہیں کوئٹہ ریلوے لائن کا سروے مرزا صاحب ہی نے کیا تھا۔[۵۵]

تمام بلوچستان میں ایک[۵۶] ہزار سے زائد میل کے رقبہ پر ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جس پر بڑے بڑے شہر اور سٹیشن پائے جاتے ہیں۔ بلوچستان میں مندرجہ ذیل ریلوے ہیں۔

(۱) روہڑی کوئٹہ چمن ریلوے

اس کی لمبائی جھٹ پٹ سے چمن تک ۲۵۰ میل ہے۔ یہ لائن جو صوبہ کو کراچی، لاہور اور پشاور وغیرہ سے ملاتی ہے۔ فوجی اور تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) کوئٹہ احمد وال نوکنڈی زاہدان ریلوے

یہ لائن روہڑی کوئٹہ چمن ریلوے سے سپیزنڈ جنکشن سے نکل کر زاہدان (ایران) کی طرف جاتی ہے اور ۴۵۶ میل لمبی ہے۔ فروری ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوئی۔ اور ۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء سے آمدورفت شروع ہوئی۔

(۳) کھوسٹ ہرنائی سبی لائن

یہ لائن سبی سے ہرنائی، کھوسٹ تک جاتی ہے۔ اس کی لمبائی ۸۳ میل ہے۔

(۴) بوستان خنائی فورٹ سنڈیمن لائن

یہ لائن ۱۸۴ میل لمبی ہے اور ضلع ژوب کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ ۵ فروری ۱۹۱۷ء کو ژوب کی راہ میں ہندو باغ تک ریلوے لائن مکمل ہوئی تھی اور اس ریلوے لائن کے قیام سے ہندو باغ کی کرومائیٹ کی کانوں کو بہت فائدہ ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ ادبیات مسلمانان، پاکستان و ہند، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۴۴؛
صالح محمد، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ص ۱۴، ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- Hand Book of Population Census Data, Population Census Organisation Statistics Division. گورنمنٹ آف پاکستان، دسمبر ۱۹۸۵ء، ص ا؛

۱۹۲۱ء میں بلوچستان کی آبادی سات لاکھ ننانوے ہزار چھ سو پچیس، ۱۹۳۱ء میں آٹھ لاکھ سڑسٹھ ہزار دو سو اکیس، ۱۹۴۱ء میں آٹھ لاکھ اٹھاون ہزار دکھائی گئی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں گیارہ لاکھ چوہتر ہزار چھتیس، ۱۹۶۱ء میں تیرہ لاکھ چون ہزار، ۱۹۷۲ء میں چوبیس لاکھ نو ہزار تھی ؛

صالح محمد، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۳، ا؛

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، براہوئی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۱، ۳۲۔

۳- دین محمد، یادگار تاجپوشی قلات ۱۹۳۲ء، لاہور، ۱۳۵۱ھ، ص ۳، ۵ ؛

میر گل خاں نصیر، بلوچستان (قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں)، کوئٹہ، ۱۹۸۲ء، ص ۵۷ تا ۶۵ ؛

اٹلس آف پاکستان، بلوچستان، سروے آف پاکستان، راولپنڈی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷، ۲۸ ؛

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، علامہ اقبال اور بلوچستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۲۳، ۲۴ ؛

محمود شاہ بخاری، تاریخ بلوچستان، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۵، ۱۶ ؛

چہل تن (چلتن) چلتن ایکسپریس گاڑی بھی ہے جو کوئٹہ، لاہور، فیصل آباد جاتی اور آتی ہے ؛

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۷۷۔

۴- میر گل خاں نصیر، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۸۲ء، ص ص ۸۵- ۹۸؛

میپ آف بلوچستان، دی لندن بک کمپنی، بنک روڈ، راولپنڈی، ۱۹۷۲ء؛

گریٹ ورلڈ اٹلس، (بلوچستان)، ریڈرز ڈائجسٹ، لندن، ص ۶۸ ؛

دی ٹائمز اٹلس آف دی ورلڈ، (بلوچستان)، لندن، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۔

۵- صالح محمد، بحوالہ سابقہ، ص ص ۹، ۱۰؛

محمد سعید دھوار، تاریخ بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰ ؛

میر گل خاں نصیر، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۷۔

۶- حامد علی بیگ، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۷۰ء، ص ص ۷- ۱۲۔

۷- محمد سعید دھوار، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۷- ۴۴ ؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر نصیر خاں احمد زئی' تاریخ بلوچ و بلوچستان' جلد اول' کوئٹہ' ۱۹۸۸ء' ص ۳'۴۔

۸۔ محمد سعید دھوار' بحوالہ سابقہ' ص ص ۳۳۔ ۳۷

ڈاکٹر انعام الحق کوثر' بحوالہ سابقہ' ص ۲۶۔

۹۔ حامد علی بیگ' بلوچستان' کوئٹہ' ۱۹۷۰ء' ص ص ۱۵۔ ۱۷؛

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عثمان حسن' مہرگڑھ۔ پاکستان میں آثار قدیمہ کا ایک نیا باب' ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ' مئی ۱۹۸۸ء' ص ص ۹۔ ۱۶؛

عبدالعزیز فاروق' وادی بلوچستان میں سات ہزار سال قبل مسیح کے آثار کی دریافت' ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ' جنوری' فروری ۱۹۸۸ء' ص ۳۳ تا ۳۷۔

محمد سعید دھوار' بحوالہ سابقہ' ص ۴۳۔۷ ضمیمہ نمبرا مہرگڑھ۔

۱۰۔ ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ' جولائی ۱۹۸۷ء' ص ۸۰؛

منیر جان' بلوچستان میں سیاحت' ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ ستمبر ۱۹۸۷ء' ص ۱۷ تا ۲۰۔

۱۱۔ حامد علی بیگ' بحوالہ سابقہ' ص ص ۱۷۔ ۲۰

۱۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر' بلوچستان میں فارسی شاعری' کوئٹہ' ۱۹۶۸ء' ص ص ۲۱۔ ۳۳

۱۳۔ حامد علی بیگ' بحوالہ سابقہ' ص ص ۲۱۔ ۲۲

۱۴۔ ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ' اگست ۱۹۸۷ء' ص ۴۸۔

۱۵۔ ایضاً' نومبر ۱۹۸۷ء' ص ۴۸۔

۱۶۔ ایضاً' جولائی ۱۹۸۸ء' ص ۵۶۔

۱۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر' تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ' راولپنڈی' ۱۹۷۷ء' ص ص ۶۶' ۸۰' ۱۷۴' ۲۱۸۔

۱۸۔ ماہنامہ ''زینہ'' کوئٹہ' اکتوبر ۱۹۸۷ء' ص ۴۸۔

۱۹۔ پاک جمہوریت' لاہور' ۱۴ اگست تا ۳ ستمبر ۱۹۸۲ء' ص ۲۰۔

۲۰۔ جسٹس خدا بخش مری' بلوچستان' تاریخ کے آئینے میں' مترجم سعید احمد رفیق' کوئٹہ' ۱۹۸۹ء' ص ۵۱۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱- ماہنامہ "زینہ" کوئٹہ، ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۴۸-

۲۲- ایضاً، جولائی ۱۹۸۷ء، ص ۸۰؛ اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص ص ۲۲- ۲۵؛ دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۵-

۲۳- طاہر محمد خان، سیاسیات بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۸۸ء، ص ص ۱۲۰- ۱۲۲-

۲۴- انگریزوں نے بلوچستان کے صدیوں پرانے قبائلی ادارے از قسم سرداری، جرگہ وغیرہ قائم رکھے اور انہیں پہلے سے بھی زیادہ فعال بنایا لیکن انہیں اپنی ضروریات و مفادات کے تحت ایسا ڈھالا کہ یہ پہلے سے کہیں زیادہ بااختیار تو ہو گئے مگر ان کا جوہر بہت کمزور پڑ گیا اور ان کے اور قبائلیوں کے درمیان جو باہمی اعتماد و اتفاق کا رشتہ تھا اس کی بجائے حاکم و محکوم اور راعی و رعایا کا فرق ابھر آیا؛

ڈاکٹر محمود علی شاہ، سرداری، جرگہ اینڈ لوکل گورنمنٹ سسٹمز ان بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۹۲ء، ص ص ۳۲، ۳۳، ۲۱۵، ۲۱۶-

۲۵- ملک صالح محمد خان لہڑی، بلوچستان: ون یونٹ سے پہلے، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۷۸-

۲۶- ایضاً، ص ۱۹۹؛ اثیر عبدالقادر شاہوانی، آئینہ خاران، کوئٹہ، ۱۹۷۸ء، ص ۱۸۶، ۱۹۷-

۲۷- ملک صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۱-

۲۸- سید محمود شاہ بخاری، برصغیر میں تحریک آزادی اور قیام پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۷، ۱۶۸-

۲۹- سید محمد فاروق احمد، تحریک پاکستان اور بلوچستان، کراچی، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۷-

۳۰- کوئٹہ پشین ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۸۶؛ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اردو، راولپنڈی، ۱۹۸۶ء، ص ۷۳-

۳۱- پروفیسر انور رومان، بلوچستان میں تعلیم، کراچی، ۷۸-۱۹۷۷ء، ص ص ۲۸- ۳۲

۳۲- کوئٹہ پشین ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۸۶؛ خواجہ عبدالحئی، "بلوچستان کی تعلیمی ترقی پر ایک ناقدانہ نظر"، پاسبان، کوئٹہ، ۴ دسمبر ۱۹۴۲ء

۳۳- کتابچہ متعلقہ بہ گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول مستونگ، مطبوعہ مارچ ۱۹۶۵ء

۳۴- مکران میں اشاعت تعلیم، "نوکین دور" (مکران نمبر) کوئٹہ مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۶۹-

۳۵- صالح محمد خان، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ص ۱۷۷، ۲۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۶۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بحوالہ سابقہ، راولپنڈی، ۱۹۸۶ء، ص ص ۷۵، ۷۶۔
۳۷۔ پاکستان ایجوکیشنل ریویو، وزارت تعلیم، اسلام آباد، جنوری ۱۹۷۳ء، ص ص ۲۸، ۲۹، ۶۸۔
۳۸۔ محکمہ تعلقات عامہ، بلوچستان زینہ بہ زینہ، "صحت" کوئٹہ، ۱۹۸۷ء، ص ص ۷۔ ۱۲
۳۹۔ محکمہ تعلقات عامہ، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۸۷ء، ص ص ۱۳، ۱۴۔
۴۰۔ ایضاً، ص ص ۳۹، ۴۰؛ صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۵۲۔
۴۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲؛
محکمہ تعلقات عامہ، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۸۷ء، ص ۴۶، ۴۷۔
۴۲۔ ایضاً، ص ص ۵۲، ۵۴۔
۴۳۔ ایضاً، ص ص ۵۵، ۵۶؛
صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۲۴۔
۴۴۔ محکمہ تعلقات عامہ بلوچستان، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۸۷ء، ص ۵۸، ۵۹۔
۴۵۔ ایضاً، ص ۶۳۔
۴۶۔ روزنامہ "نعرۂ حق" (بلوچستان نمبر)، کوئٹہ، یکم جون ۱۹۸۷ء، ص ۵۸۔
۴۷۔ صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۵۰۔
۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵۱۔
۴۹۔ صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۵۶۔
۵۰۔ ایضاً، ص ۲۵۶۔
۵۱۔ ایضاً، ص ۲۲۴؛ سید محمود شاہ بخاری، تاریخ بلوچستان، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۳۵۸۔
۵۲۔ ایضاً، ص ۲۴۴۔
۵۳۔ ایضاً، ص ۲۵۱۔
۵۴۔ صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۴۲۔
۵۵۔ ابتدائیہ مرقع لیلیٰ مجنوں، رسوا، مرتبہ عشرت رحمانی، لاہور، ۱۹۶۳ء؛ "افکار" نئی تحقیق نمبر، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۳؛ بلوچستان میں اردو، راولپنڈی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۲۔
۵۶۔ ملک صالح محمد خان لہڑی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۱۱، ۱۲، ۲۴۰۔

© rasailojaraid.com